علم الکلام اوراس کی ابتداء کے اسباب کا تحقیقی جائزہ

A research analysis of I'lm ul kalm and its commencement causes

محمد شاہ[i] محمد نعیم جان[ii]

Abstract

In the theologians (mutakalmain) views that I'lem ul kalm (words knowledge) is based on soul existence and still in words. Nuhaat views, kalam are known as speech words of ascendance (jumla mufidah).it is the knowledge that discuss credence through altercation and bestow aggrandizement and in it. I'lem kalm is also known as arch and cardinal (principal) of religion. I'lem kalm deliver and feed argumentative affirmation to religious doctrine and there upon handover a submissive defense faith .through this knowledge the theologians (Mutakalmain) distinguished be standard unfair orthodox and furnish retaliation to the objection made by negligent and whereupon bestow glorification.

There were several causes in the commencement of I'lem ul kalam, some were internal causes and some were external causes. The internal causes were created by commencements of Islam and the natural tendencies of Muslims towards it.whereas the external causes were created by unfamiliar culture and un-Islamic believes and thinking.

In this article we have taken a research analysis of I'lem ul kalm and its commencement causes.

Keywords: *Ilm ul Kalam, commencement Causes, theologians,*

علم الکلام کا تعارف

علم الکلام دو لفظوں کا مجموعہ ہے: "علم" اور "کلام" علم کے معنی ہے: جاننا، ادراک کرنا۔ معجم الوسیط میں ہے:

"ادراک الشئ بحقیقة والیقین، نور یقذفه الله فی قلب من یحب، والمعرفة. وقیل: العلم یقال لادراک الکلی والمرکب، والمعرفة تقال لادراک الجزئی او البسیط، ومن هنا یقال عرفت الله، دون علمته. ویطلق العلم علی مجموع مسائل واصول کلیة تجمعها جهة واحدة کعلم الکلام، وعلم النحو[1]"

کلام؛ ک، ل، م، سے مشتق ہے، اس کے معنی ہے گفتگو، قول، زخمی کرنا، وہ مفرد و مرکب جو انسان بولے[2]۔ متکلمین کے نزدیک علم الکلام وہ علم ہے جو بالنفس موجود ہو اور جسے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ میرے دل میں کہنے کو کچھ ہے۔ نحاۃ کے نزدیک کلام جملہ مفیدہ کو کہتے ہیں، جیسے سردی آئی۔ لفظ الکلم زخم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس کی جمع کُلوم وکِلام آتی ہے:

i پی ایچ۔ڈی سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلیجیس سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ii ایم فل سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ ریلیجیس سٹڈیز، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

"الكاف واللام والميم اصلان: احدهما يدل على نطق مفهم والآخر على جراح[3]"

"الكلام فى اصل اللغة: الاصوات المفيدة وعندالمتكلمين المعنى القائم بالنفس الذى يعبر عنه بالفاظ.

يقال فى نفسى كلام. وفى اصطلاح النحاة الجملة المركبة المفيدة، نحو: جاء الشتاء[4]"

علم الکلام، اسلام کے دینی علوم میں سے ایک علم ہے۔ جس کا مقصد عقائد دینیہ کو دلائل عقلیہ کے ذریعے پایہ ثبوت تک پہنچانا اور مخالفین کے شکوک وشبہات کو زائل کرنا ہے۔

"هوعلم باحث عن الاعراض الذاتية للموجود من حيث هو على قاعدة الاسلام[5]"

"الكلام هو ا لعلم با لعقائد الدينية عن الادلة اليقينية[6]"

"عقائد دینیہ کو ادلہ یقینی سے ثابت کرنا علم الکلام ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الکلام وہ علم ہے جو دلائل کے ذریعے عقائد کے جاننے کا فائدہ دیتی ہے۔

"اس علم میں عقائد ایمانیہ پر دلائل عقلیہ سے حجت لائی جاتی ہے اور وہ بدعتی جو مذہب سلف سے پھیر کر عقائدِ ایمانیہ میں شک لانے لگے ہیں۔ان کی تردید مقصود ہوتی ہے[7]"

"ويسمى باصول الدين ايضًا وسماه ابوحنيفةؒ بالفقه الاكبر وفى مجمع السلوك: ويسمى بعلم النظر والاستدلال ايضًا ويسمى ايضا بعلم التوحيد والصفات وفى شرح العقائد للتفتازانى: العلم المتعلق بالاحكام الفرعيةاي العملية يُسمى علم الشرائع والاحكام، وبالاحكام الاصلية اي الاعتقادية يسمى علم التوحيد والصفات[8]"

"علم کلام کو علم اُصول الدین بھی کہا جاتا ہے (اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ علوم شرعیہ کی اصل ہے اور ان کی بنیاد کا کام دیتی ہے) امام ابوحنیفہؒ نے اسے الفقہ الاکبر کا نام بھی دیا ہے،اسے علم النظر والاستدلال اور علم التوحید والصفات بھی کہا جاتا ہے، تفتازانی کی رائے ہے کہ احکام شرعیہ دو طرح کی ہیں:

أ. وہ جن کا تعلق عقائد سے ہے انہیں اصلیہ اور اعتقادیہ کہا جاتا ہے اور ان کے علم کو علم التوحید والصفات کہتے ہیں

ب. وہ جن کا تعلق کیفیت عمل سے ہے انہیں فرعیہ اور عملیہ کہا جاتا ہے اور ان کے علم کو علم الشرائع والاحکام کہتے ہیں۔

پھر معرفت احکام عملیہ مع دلائل تفصیلیہ کو فقہ کہتے ہیں اور معرفت عقائد مع دلائل تفصیلیہ کا نام کلام ہے:

"هُوعلم يقتدر به على اثبات العقائد الدينية بايراد الحجج عليها ودفع الشبه عنها وموضوعه ذات الله سبحانه وتعالى وصفاته عند المتقدمين وقيل موضوعه الموجود من حيث هو موجود،وعند المتأخرين موضوعه المعلوم من حيث يتعلق به اِثبات العقائد الدينية تعلقا قريبا اوبعيدا وارادوا بالدينية المنسوبة الى دين نبينا محمدا[9]."

"متقدمین علماء کے نزدیک علم الکلام وہ علم ہے جس کے ذریعے انسان کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ استدلال وبراہین قائم کرکے، شکوک وشبہات کا ازالہ کرے اور دینی عقائد کی اثبات کرے،اس علم کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہے۔متاخرین علماء کے نزدیک اس علم کا موضوع دینی عقائد کا اثبات ہے اور دین سے مراد وہ دین ہے جو محمد ﷺ کی طرف منسوب ہے"

گویا علم الکلام عقائد دینیہ کے اثبات کے لیے دلائل مہیا کرنے کی خدمت بجالاتا ہے اور یوں ایمانیات کا دفاع کرتا ہے اور اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے دینی عقائد کے بارے میں شک کرنے والوں اور منکرین کے خلاف قدم اُٹھاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا

ہے کہ علم الکلام وہ علم ہے جس میں احوال مبدأ ومعاد سے قانون اسلام کے نہج پر بحث کی جاتی ہے[10]۔

علم الکلام کے بارے میں علامہ عضدالدین ایجیؒ فرماتے ہیں:

"علم يقتدر معه على اثبات عقائد الدينية بايراد الحجج دفع الشبه[11]."

"علم الکلام وہ علم ہے جس کے ذریعے انسان دینی عقائد کے اثبات کے لیے دلائل لانے اور شبہات کو دفع کرنے پر قادر ہوتا ہے۔"

علم الکلام کا تاریخی پس منظر

علم الکلام کے بارے میں امام اشعریؒ کی مقالات الاسلامیین سے لے کر تفتازانیؒ کی شرح عقائد النسفیہ تک سب نے یہی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک لوگ عقائد کے سلسلے میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام سے براہ راست رجوع اور مشورے کی سہولت کے باعث مطمئن ہوتے اور اختلافات کم سے کم ظہور پذیر ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں فتنوں کا ظہور ہوا اور عقائد کے بارے میں شکوک واعتراضات پیدا ہو گئے، اس کے کچھ وجوہ سیاسی تھے، لیکن بہت سے اختلافات واعتراضات جو دوسرے مذاہب کے لوگوں یا ان میں سے اسلام قبول کرنے والوں یا یونانی علوم کی اشاعت اور اس کے زیر اثر عقلی طریق کار کے غلبے کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔

اس حد تک تو بات ٹھیک ہے لیکن یہ سمجھنا چنداں درست نہیں کہ اختلافات کا پیدا ہونا کوئی بڑی ہی غیر معمولی یا غیر قدرتی صورت حال تھی یا یہ کوئی ایسی بات تھی جو صرف مسلمانوں سے مخصوص تھی۔ اول تو یہ امر طبعی ہے کہ انسان لحظہ بہ لحظہ اپنی انفرادی سوچ کو کام میں لاتا ہے اور ہر شے کے بارے میں اپنا ایک انفرادی نقطہ نظر بھی قائم کرتا ہے۔ وہ ایک خیال پر جامد نہیں رہ سکتا۔ بدلتے ہوئے سیاسی وجغرافیائی اور مختلف اقوام کے نظریاتی احوال سے دوچار ہونے کے بعد خیالات میں ایک ہیجان پیدا ہونا لازمی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام تمام انسانیت کا مذہب ہے۔ اس نے دنیا کے مذاہب وادیان کے مقابلے میں ایک موقف پیش کیا، جس سے ایک ٹکراؤ لازم تھا۔ جملہ ادیان ومذاہب کے ماننے والوں نے اس کا مقابلہ کیا اور اپنے اپنے خیالات کی حمایت ومدافعت میں ہر حربہ استعمال کیا۔ جس سے بعض اوقات اسلام قبول کرنے والے بھی متاثر ہوتے رہے۔ اس میں قابل ذکر صورت یہ ہے کہ اس چیلنج کو علمائے اسلام نے کس طرح قبول کیا اور اُمت کا ایک بڑا حصہ اس چیلنج سے بچ کر کس طرح نکل گیا؟ اتنا بڑا چیلنج اور اس کی زد میں نہ آنا یہ باور نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کو پہلی تین صدیوں میں سخت سے سخت مقابلے پیش آئے، ان سب میں اس دین فطرت کو کامیابی ملی، جو اس کی حقانیت کی نشانی تھی۔ فرقوں کا ہونا بھی ایک امر قدرتی ہے۔ تمدنی تجربوں سے گزرتے ہوئے اقوام میں ذہنی اضطراب بھی کوئی انوکھی بات نہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ فرقے صرف مسلمانوں میں پیدا ہوئے، غلط بات ہے۔ اختلافات ہر مذہب میں، بلکہ ہر مکتبہ فکر میں موجود ہوتے ہیں۔ اس طرح قانون طبعی کے تحت مسلمانوں میں بھی ہوئے۔ اختلافات پر زور دینے والے، اسلامی فرقوں کے اختلاف پر تو بہت زور دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ان قدرتی وطبعی اختلافات اور کثرت بحث میں دین حق کے علمبرداروں نے ہر محاذ پر مقابلہ کس طرح کیا، اور آویزشوں کے اندر قرآن وسنت کی بنیاد پر اتحاد اُمت کو مستحکم رکھنے اور مابہ الاشتراک کے اُصول پر اجماع واجتماع کے مصالح ومقاصد کو کس طرح پورا کیا۔

قابل ذکر یہ نہیں کہ مختلف آراء اور مختلف فرقے کیوں اور کس طرح پیدا ہوئے، کیونکہ یہ امر طبعی تھا۔ زیادہ قابل ذکر امر یہ ہے کہ آراء کی اس کثرت کے باوجود دین حق کا صراط مستقیم کس طرح قائم رکھا گیا اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو جماعت کا پابند کس طرح کیا گیا۔ فرقے ضرور پیدا ہوئے مگر چھوٹے فرقے ساتھ ساتھ مٹتے بھی گئے اور دین حق کی جماعت ہمیشہ غالب رہی۔ دین حق پر اکثریت جماعت کا متفق رہنا غیر معمولی بات ہے اور فرقوں کا ہونا ایک عام بات ہے۔ جماعت پر قائم رکھنے کا کام علم الکلام نے کیسے کیا؟ اس کے تین محاذ تھے:

أ. داخلی: جس میں مسلمانوں کے اندر کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا۔ یہ فرقوں کے اندر کا محاذ تھا۔

ب. خارجی دینی: جس کے ذریعے دیگر ادیان کے عقائد کے نفوذ کا مقابلہ ہوا۔ یہ تقابل ادیان کا محاذ تھا۔

ت. فلسفیانہ: یونانی (قدیم) اور مغربی (جدید) فلسفے سے پیدا شدہ خیالات وعقائد کا مقابلہ۔ اسے عقلی محاذ کہا جاسکتا ہے۔

ہر چند کہ علم الکلام بعض موقعوں پر خود نئے مفاسد کا ذریعہ بھی بنا، لیکن مجموعی طور پر علم الکلام نے دین حق کی حقانیت کو ثابت کرنے اور اس کے خلاف حملوں کی مدافعت کرنے میں غیر معمولی خدمت انجام دی۔

ابن خلدون نے بھی علم الکلام کی ابتداء وآغاز سے بحث کی ہے۔ عقائد ایمانیہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الغرض یہ سارے وہ بنیادی عقائد ایمانیہ ہیں جن پر عقلی دلائل قائم کی گئیں اور ان کا ثبوت مہیا کیا گیا۔ کتاب وسنت اُن کے دلائل سے پر ہیں۔ سلف صالحین، علمائے متقدمین اور ائمہ محققین نے انہیں ادلہ کو پیش نظر رکھا۔ مگر آگے چل کر ان عقائد کی تفصیل میں آپس میں اختلاف رونما ہوا۔ اختلاف کا باعث زیادہ تر آیات متشابہات ہیں۔ یہ اختلاف علماء کو بحث مباحثے اور مناظرے کی طرف کھینچ لایا۔ ہر ایک نے عقلی دلائل پیش کیے اور ساتھ ساتھ نقل (کتاب وسنت) سے بھی استدلال کیا۔ پس یہیں سے علم الکلام کی بنیاد پڑی[12]"

- **داخلی اسباب**

داخلی اسباب وہ تھے جو خود اسلام اور مسلمانوں کی طبیعت کا تقاضا تھے، مثلاً قرآن مجید کا یہ اسلوب کہ اس نے نہ صرف یہ کہ توحید ونبوت کی دعوت دی، بلکہ اہم ادیان عالم اور اقوام کے عقائد ونظریات سے بحث بھی کی، اور ان کے غلط عقائد ورسومات کا رد بھی کیا۔ اندرونی اور بیرونی فتوحات سے فراغت کے بعد مسلمان دینی بحث ومباحثہ کی طرف متوجہ ہونے لگے، فلسفے کی طرف بھی میلان ہوا اور دینی اختلاف بھی ظہور میں آیا۔

- **خارجی اسباب**

خارجی اسباب اجنبی ثقافتوں اور غیر اسلامی عقائد ونظریات کی بدولت پیدا ہوئے۔ ان میں سے اہم سبب یہ تھا کہ مختلف ادیان کے ماننے والوں کا رد فلسفیانہ نقطۂ نظر سے دلائل ووجوہ کے ساتھ دیا جائے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام جب تک عرب کی محدود فضا میں رہا، تو عقائد کے بارے میں کوئی زیادہ باریک قسم کی چھان بین اور بحث ونزاع پیدا نہ ہوئی۔ جس کا سبب

یہ تھا کہ عربوں کا مزاج تخیلاتی نہیں بلکہ عملی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عملی اُمور (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کے بارے میں تو ابتداء سے مسائل کی تحقیق کا آغاز ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی فقہ و تفسیر کے مجموعے تیار ہونے لگے تھے، لیکن جو باتیں ایمان واعتقاد سے تعلق رکھتی تھیں ان کے بارے میں زیادہ بحث و نزاع اور نکتہ چینی نہیں ہوئی، بلکہ اجمالی طور پر عقیدے کا ماننا کافی سمجھا گیا۔ مزید موشگافیاں بعد میں مختلف اسباب کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔

علم الکلام کی ابتداء کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ جو قومیں اسلام لائیں اُن کے قدیم مذہب میں عقائد مثلاً صفات الٰہیہ، قضاء وقدر وغیرہ خاص خیالات تھے۔ یہ خیالات وعقائد کھلم کھلا اسلام کے خلاف تھے۔ جیسے تعدد الٰہ، شرک وبت پرستی وہ تو بالکل دلوں سے جاتی رہی۔ لیکن جہاں تک اسلامی عقائد کے کئی پہلوں ہو سکتے تھے اور ان میں سے جو کوئی پہلو اُن کے قدیم عقائد سے ملتا جلتا معلوم ہوتا تو وہاں بالطبع وہ اُسی پہلو کی طرف مائل ہو سکتے تھے۔ اور چونکہ مختلف مذاہب کے لوگ اسلام کے دائرہ میں آئے تھے اور اُن کے قدیم عقائد آپس میں بالکل مختلف تھے، اس لیے ان مختلف عقیدوں کا جو اثر ہو سکتا تھا اس کا مختلف ہونا بھی ضروری تھا۔ مثلاً یہود کے نزدیک خدا بالکل ایک مجسم آدمی کی صورت میں تسلیم کیا جاتا تھا، جس کی آنکھیں بھی دُکھتی تھی۔ فرشتے عیادت کرتے ہیں۔ کبھی وہ کسی پیغمبر سے کُشتی لڑتا ہے اور اتفاق سے چوٹ کھا جاتا ہے۔ ایسی بہت سی لغو خیالات بائبل میں ملیں گی۔ اس قسم کے اعتقاد والے جب اسلام میں داخل ہوئے تو یہ لازمی امر تھا کہ ان کا میلان ان آیتوں کی طرف ہو جن میں اللہ تعالیٰ کی نسبت ہاتھ منہ وغیرہ کے الفاظ وارد ہیں۔ یہ بھی ہے کہ انہی الفاظ کو انہوں نے انہی معنوں پر محمول کیا جس پر ان کے جاہلیت کے زمانے والے عقائد تھے۔

ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ محدثین کا یہ طرز تھا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی اور مذہب والے سے نہیں ملتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ غیروں سے ملنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور یہ کہ ان کو علمی سرگرمیوں سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبقۂ محدثین کے کانوں میں مخالف مذہب کی آوازیں نہیں پہنچ سکتی تھیں، اور اُن کو مطلق خبر نہیں ہوتی تھی کہ اسلام پر کیا اعتراضات کیے جا رہے ہیں۔ محدثین سے جب لوگ پوچھتے کہ خدا جب جسمانی نہیں ہے تو عرش پر کیوں کر استوٰی کر رہا ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ الکیف مجھول والسوال بدعۃٌ ۔لوگ یہ جواب سن کر چھپ ہو جاتے۔ محدثین کو اس ابہام کے رفع کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ بخلاف متکلمین اور خصوصًا معتزلہ کے، یہ لوگ ہر مذہب اور ہر فرقہ کے لوگوں سے ملتے تھے اور اُن سے مناظرہ و بحث کرتے تھے۔ ان پڑھ کے سامنے ابہام کی گرہ کھولنی پڑتی تھی۔ اس لیے عقائد میں درجہ بدرجہ تغیر ہوتا جاتا تھا۔

علامہ شہرستانیؒ نے عقائد میں اختلاف کے چار اصول بتائے ہیں:

1. صفات الٰہی کا اثبات و نفی
2. قدر و جبر کی حقیقت
3. عقائد و اعمال کی حیثیت
4. عقل و نقل کی نزاع[13]

علم الکلام کے وجود میں آنے کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام کی زیادہ وسعت ہوئی اور ایرانی و یونانی قبطی وغیرہ قومیں اسلام کے حلقہ میں آئیں، تو عقائد کے متعلق نکتہ آفرینیاں شروع ہو گئیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عجمی قوموں کا مذاج یہ تھا کہ بال کی کھال نکالتے اور بات کا بتنگڑ بناتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض ایسے مسائل تھے جو ذو جہتین تھے، اُن کے متعلق جب رائے قائم کی جاتیں خواہ مخواہ رایوں میں اختلاف ہوتا۔ مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ کہ ایک طرف نظر آتا ہے کہ ہم اپنے افعال کے آپ مختار ہیں۔ دوسری طرف زیادہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ افعال ایک طرف ہمارا ارادہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ اختلاف کا ایک سبب طبائع انسانی کی فطرت کا اختلاف بھی تھا۔ جب آیات متشابہات کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا، ایک مبتدع فرقہ پیدا ہوا جو تجسیم اور صفات میں تشبیہ کا قائل ہوا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"پھر جب علوم وصناعات کی کثرت ہوئی، تدوین وتالیف، بحث وتمحیص اور موشگافیوں کے بازار گرم ہوئے اور متکلمین نے ذات وصفات کی تنزیہہ پر کتابیں تالیف کیں تو اپنے وقت کے تجدد پسند معتزلہ کی یہ بدعت رونما ہوئی کہ تنزیہہ باری کے باب میں اس انتہاپسندی کا ثبوت دیا کہ تنزیہہ پر اکتفا نہ کرتے ہوئے سرے سے صفات ہی کی نفی کر ڈالی، یعنی علم، قدرت، ارادہ اور حیات وغیرہ جیسی صفات کا انکار کر بیٹھے کیوں کہ اگر ان صفات کو ذات پر زائد مانیں۔ تو ان کے خیال میں ذات قدیم نہیں رہتی بلکہ قدیم ذاتوں کا تعدد لازم آتا ہے۔ چنانچہ مبتدع فرقوں کے فاسد و باطل تصورات و نظریات کی تردید کے لیے امام المتکلمین شیخ ابو الحسن اشعری اُٹھے اور انہوں نے فکری افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل راہ پیش کی۔ تشبیہ کی نفی کی۔ صفات معنویہ کا اثبات کیا اور تنزیہہ کے باب میں اُسی حد تک گئے۔ جس حد تک اسلاف گئے تھے اور ایسے دلائل فراہم کیے جو تنزیہہ کے عموم کی تخصیص کرتے ہیں اور عقلی و نقلی دلائل سے صفات اربع معنویہ علم، قدرت، ارادہ، حیات اور سمع و بصر اور کلام نفسی کا ثبوت بہم پہنچایا اور ان تمام مباحث میں مبتدع فرقوں کی تردید کا حق ادا کر دیا اور صلاح اور احسن و قبح کے مسائل سے متعلق عقلیت زدہ لوگوں کے باطل قول کے براہین کا قلع قمع کیا۔ بعثت انبیاء، جنت و دوزخ اور ثواب و عقاب کے عقائد کو مدلل کر کے پیش کیا اور اسی کے ساتھ وہ امامت کو بھی زیر بحث لائے کیوں کہ اس وقت بعض فرقوں نے اس عقیدہ کو پھیلانے میں بڑا زور باندھا تھا کہ امامت بھی ایمانی عقائد میں شامل ہے۔ یعنی منصوصات میں سے ہے۔ اس لیے متکلمین نے امامت کی بحث کو اس فن کے مسائل میں ملحق کیا اور ان تمام مباحث و مسائل کے مجموعہ کو علم کلام سے موسوم کیا اور اس نام کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ اس علم کا تعلق مبتدع فرقوں کے فاسد خیالات اور باطل نظریات کے ردّ و قدح سے اور مباحثہ و مناظرہ کا تعلق کلام (گفتگو) سے ہے نہ کہ عمل سے یا پھر اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ اس علم کی بنیاد اس وقت پڑی تھی جب کلام نفسی کی بحث زوروں پر تھی۔ غرض شیخ ابو الحسن اشعریؒ کا فکری حلقہ بڑھتا چلا گیا اور ان کے بعد ان کے تلامذہ ان کی روش پر چلتے رہے۔ اس کے بعد علوم منطق اور علوم فلسفہ کا رواج ہوا اور لوگ انہیں پڑھنے پڑھانے لگے اور انہوں نے منطق اور علوم فلسفہ میں یہ فرق کیا کہ منطق ادلہ کے لیے ایک قانون اور معیار کی حیثیت رکھتی ہے جس پر ہر دلیل جانچے جاتے ہیں جیسا کہ ان کے سوا بعض دوسری چیزیں اس پر جانچی جاتی ہیں۔ پھر لوگوں نے علم کلام

کے ان قواعد و مقدمات پر ناقدانہ نظر ڈالی جو متقدمین نے مقرر کیے تھے تو بہت سے قواعد و مقدمات دلائل کی روشنی میں غلط دکھائی دیئے اور بہت ممکن ہے کہ ایسا اس لیے ہوا کہ اس میں زیادہ تر طبعیات اور الٰہیات کے باب میں فلاسفہ کے کلام سے حاصل کیا گیا تھا اور یہ تسلیم نہیں کیا کہ دلیل کے باطل ہونے سے مدلول کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ پس یہ طریق بحث واستدلال متقدمین کے طریق بحث واستدلال سے مبائن تھا اور اس کا نام متأخرین کا طریقہ رکھا گیا۔ جس میں بہت سی ایسی جگہوں پر فلاسفہ کی تردید بھی کی گئی، جہاں ان کے تصورات و نظریات ایمانی عقائد سے ٹکراتے تھے اور عقائد کے باب میں ان فلاسفہ کو ایک فریق مقابل کی جگہ دی کیوں کہ ان کے بکثرت نظریات مبتدع فرقوں کے مذاہب سے ملتے جلتے تھے[14]"

علم الکلام کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس کی بدولت یونانیوں کی غلامی سے آزادی ملی، یونانی فلسفہ نے دُنیا میں اس قدر رواج و قبول حاصل کیا تھا کہ اس کے مسائل وحی کی طرح تسلیم کیے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی اُن کے فلسفہ کو اسی نگاہ سے دیکھا اور ارسطو اور افلاطون کو علم کا دیوتا سمجھے۔ فارابی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو ارسطو سے کیا نسبت ہے، اُس نے جواب دیا کہ اگر میں ارسطو کے زمانے میں ہوتا تو اس کا ایک لائق شاگرد ہوتا۔

بو علی سینا نے شفا میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے کہ اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود ارسطو کی تحقیقات پر ایک ذرہ بھر اضافہ نہ ہو سکا۔ یونانیوں کی یہ حلقہ بگوشی اس وقت تک قائم رہی جب تک علمائے کلام نے فلسفہ کو نکتہ چینی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ سب سے پہلے ابو اسحاق النظام نے ارسطو کی کتاب الطبائع کا رد لکھا۔ پھر ابو علی الجبائی نے ارسطو کی کتاب کون و فساد کی رد لکھی۔ یہ سلسلہ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ امام غزالیؒ نے تہافۃ الفلاسفہ لکھی۔ امام رازیؒ نے بھی اس میں ایک باقاعدہ ایک محاذ کھولی۔

ابن تیمیہؒ نے خاص فلسفہ کی رد چار جلدوں میں کی۔ یہ تصنیفات اگرچہ جس غرض کے لیے لکھی گئی تھی، یعنی علم کلام سے تو ان کا کچھ تعلق نہ تھا۔ لیکن اس کی سبب سے فلسفہ کا رُعب دلوں سے اُٹھ گیا۔

خلاصہ بحث

علم الکلام وہ علم ہے جس کے ذریعے علوم الٰہیہ کی تائید اور مخالف کی رد کی جاسکتی ہے۔ خواہ وہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو یا عمل سے۔ وہ اقوال خواہ واضع الملۃ سے ماخوذ ہو یا غیر واضع الملۃ سے اخذ شدہ ہو۔ بیان کردہ تعریفات تمام باطل فرق کی ردّ کرتی ہے۔ خواہ ان کا تعلق ادیان سماویہ سے ہو، یا غیر سماویہ سے ہو۔ علم الکلام وہ آلہ ہے جس کے ذریعے دینی عقائد کی نصرت اور امداد کی جاتی ہے۔ علم الکلام کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ علوم جن کو صاحب الملۃ نے وضع کیا ہو، جنہیں علوم الٰہیہ بھی کہتے ہیں، اور وہ علوم جن کو انسانوں نے وضع کیا ہو جنہیں علوم عقلیہ اور علوم فلسفہ بھی کہتے ہیں۔

علم الکلام کی ابتداء کے کچھ اسباب تھے۔ ان میں کچھ داخلی تھے اور کچھ خارجی اسباب تھے۔ داخلی اسباب وہ تھے جو خود اسلام اور مسلمانوں کی طبیعت کا تقاضا کرتے تھے۔ خارجی اسباب وہ تھے جو اجنبی ثقافتوں اور غیر اسلامی عقائد و نظریات

کی بدولت پیدا ہوئے۔ اہم سبب یہ تھا کہ مختلف ادیان کے ماننے والوں کا ردّ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے دلائل و وجوہ کے ساتھ دیا جائے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام جب تک عرب کی محدود فضا میں موجود رہا۔ عقائد کے بارے میں کوئی زیادہ باریک قسم کی چھان بین اور بحث و نزاع پیدا نہ ہوئی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ عربوں کا مزاج تخیلی نہیں بلکہ عملی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عملی اُمور (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کے بارے میں تو ابتداء سے ہی مسائل کی تحقیق کا آغاز ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی فقہ و تفسیر کے مجموعے تیار ہونے لگے تھے، لیکن جو باتیں ایمان و اعتقاد سے تعلق رکھتی تھیں ان کے بارے میں زیادہ بحث و نزاع اور نکتہ چینی نہیں ہوئی، بلکہ اجمالی طور پر بھی عقیدے کا ماننا کافی سمجھا گیا۔ موشگافیاں بعد میں مختلف اسباب سے ہوئیں، لہٰذا یہی اسباب علم الکلام کی ابتداء اور وجود کا باعث بن گئے۔ علم الکلام کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس کی بدولت یونانیوں کی غلامی سے آزادی ملی، یونانی فلسفہ نے دُنیا میں اس قدر رواج پایا تھا کہ اس کے مسائل وحی کی طرح تسلیم کیے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی اُن کے فلسفہ کو اسی نگاہ سے دیکھا۔ یونانیوں کی یہ حلقہ بگوشی اس وقت تک قائم رہی جب تک علمائے کلام نے فلسفہ کو نکتہ چینی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

حواشی و حوالہ جات

1 النجار، إبراہیم مصطفی أحمد الزیات، المعجم الوسیط، شوقی ضیف، مادہ: ع،ل،م، مکتبہ العلمیہ، تہران ایران، ۲۰۰۴ء

2 لویس معلوف، المنجد، اُردو، بذیل مادہ، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۹۴ء

3 احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، ۵ :۱۳۱، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۹ء

4 علی بن اسماعیل ابن سیدہ، المحکم والمحیط الاعظم، ۷ :۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۲۰۰۰ء

5 الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات: ۲۰۱، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۹۹۲ء

6 التفتازانی، مسعود بن عمر سعد الدین، شرح المقاصد ۱ :۲۷، اشاعت اسلام کتب خانہ پشاور (س۔ن)

7 ابن خلدون، عبد الرحمن ابن خلدون، مقدمہ تاریخ ابن خلدون ۱ :۴۳۸، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی (س۔ن)

8 تھانوی، محمد اشرف علی تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم ۱ :۲۹، بیروت، ۱۹۹۶ء

9 حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبد اللہ کاتب، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۲ :۱۵۰۳، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی

10 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۷۳: ۱۴، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء

11 علامہ ایجی، عضد الدین عبد الرحمن بن أحمد ، المواقف: ۷، دار الجیل، بیروت لبنان، ۱۹۹۷ء

12 مقدمہ تاریخ ابن خلدون اُردو، ترجمہ: سعد حسن خان یوسفی، ۱ :۴۴۳

13 شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل ۲ :۱، دار المعرفہ، بیروت لبنان، ۱۴۰۴ھ

14 مقدمہ تاریخ ابن خلدون اُردو ۱ :۴۳۹